



حرف آغاز

جہاد کے احکام^۱ (جنگی تیاری کی نوعیت)

سید جلال الدین عمری

اسلام نے جہاد کا حکم دیا ہے اور اس کے لیے ممکنہ تیاری کی ہدایت کی ہے۔ اسلامی ریاست اس کی پابند ہوگی، لیکن اُسے عام طور پر اس طرح کا حکم نہیں سمجھا جاتا جس طرح دنیا کی حکومتیں اپنی ضروریات اور مصالح کے تحت فوجی تیاری کرتی ہیں۔ اس کے لیے قوانین اور ضوابط وضع کرتی اور احکام نافذ کرتی ہیں، بلکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسلامی ریاست ایک جنگجو ریاست ہے اور اپنی مہم جوئی کے لیے تیاری کرتی ہے۔ اس کی یہ تیاری امنِ عالم کے لیے خطرہ ہے۔ وہ جنگی لحاظ سے مسلح ہوگی تو دوسرے ملکوں پر یورش کر بیٹھے گی اور کسی اصول، قاعدے اور ضابطے کی پابند نہ ہوگی۔ گویا وہ ایک بے رحم اور اندھی بہری طاقت ہوگی جو دوسروں کو روندتی اور پامال کرتی چلی جائے گی۔ اسی وجہ سے اسلامی ریاست کا تصور ہی آج کے ذہن کے لیے انتہائی ہولناک ہے۔ اور اس کی فوجی تیاری کے ذکر سے خوف اور خطرے کا ماحول پیدا ہو جاتا یا دانستہ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ یہ دراصل جہاد کی تیاری اور اس کی غرض و غایت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ یہاں اس سے متعلق احکام

۱۔ سلسلے کے لیے ملاحظہ ہو سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ۔ اپریل۔ جون ۲۰۰۳ء

اور پس منظر کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس سے یہ فیصلہ کرنا آسان ہوگا کہ اس تیاری کی نوعیت کیا ہے اور اس کا جواز ہے یا نہیں؟

ساتویں صدی عیسوی میں رسول اللہ ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو اہل عرب مختلف قبائل میں منقسم تھے۔ ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا جس کی پورے قبیلے پر حکم رانی ہوتی۔ افراد قبیلہ حق اور ناحق اور صحیح و غلط ہر معاملہ میں اس کی ہم نوائی کرتے اور اس کا ساتھ دیتے۔ قبائلی عصبيت و حمیت رگ و پے میں اتری ہوئی تھی۔ اس کی خاطر وہ آسانی سے جان کی بازی تک لگا سکتے تھے۔ بعض قبائل کے درمیان خونی رشتے اور سماجی و معاشی تعلقات بھی تھے، لیکن زیادہ تر وہ خانہ جنگی اور باہمی تصادم کے شکار تھے۔ قتل و خوں ریزی عام تھی۔ لوٹ مار اور شب خون کا بازار گرم رہتا۔ قبیلے سے باہر کے کسی شخص کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ صحرائے عرب میں تنہا سفر کرنا دشوار تھا۔ قافلوں کی شکل میں سفر ہوتا اور قافلے بھی بسا اوقات لٹ جاتے۔ صحرا کی زندگی اور گرد و پیش کے حالات نے ہر شخص کو فوجی یا سپاہی بنادیا تھا۔ وہ اپنی حفاظت اور دفاع کے لیے ہر وقت تیار رہتا اور جب چاہتا اپنی حربی صلاحیت کو دوسرے کے خلاف استعمال بھی کرتا۔ اسلام نے ان مختلف قبائل کو ایک امت بنایا اور قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کی صورت میں ایک مکمل آئین اور قانون دیا، قبائلی اقتدار کو ختم کر کے باضابطہ ریاست قائم کی، اس کے متحارب قبائل کو ایک نظم کے تحت مجتمع کیا اور جنگ، جد افراد کو ایک باقاعدہ ریاست کے شہری کی حیثیت عطا کی اور انہیں آئین و قانون کا پابند بنایا، حالت جنگ اور حالت امن دونوں میں اخلاق اور قانون کی بالادستی قائم کی۔ جنگ کو کسی بھی فرد کی آزاد مرضی پر نہیں چھوڑا کہ جب چاہے جنگ کا سائرن بجادے اور جنگ شروع کر دے بلکہ اسے ریاست کے دائرہ اختیار میں رکھا۔ اس کی تیاری کے معلوم و معروف ذرائع تجویز کیے اور اس کا مقصد واضح کیا۔

جنگ دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک دفاعی اور دوسری اقدامی۔ دونوں کے لیے مناسب تیاری کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسلام نے ریاست کو عسکری لحاظ سے مضبوط ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس کے لیے فرد اور ریاست کا مال خرچ کرنا اور اپنے وسائل کا استعمال کرنا اس کے نزدیک بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ ارشاد ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ
مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ
رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ
عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ
وَالْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ
لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ
وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ
وَأَنْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ ۝
(الانفال: ۶۰)

اور تیار رکھو ان کے لیے جس
حد تک تم سے ہو سکے (فوجی)
قوت اور بندھے ہوئے گھوڑے،
جس سے اللہ کے دشمن اور تمہارے
دشمن پر خوف طاری رہے۔ ان
کے علاوہ ان لوگوں پر بھی جنہیں تم
نہیں جانتے۔ اور اللہ جانتا ہے اور
جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ
کرو گے وہ تمہیں پورا دیا جائے گا
اور تمہارے ساتھ کوئی کمی نہ ہوگی۔

آیت کا آغاز وَأَعِدُّوا لَهُمْ (ان کے لیے تیار رکھو) کے الفاظ سے
ہوا ہے 'اعدوا' کا مصدر 'اعداد' ہے۔ اس کے معنی بغوی اور خازن نے
لکھے ہیں: 'اتخاذ الشيء لوقت الحاجة، ا' (کسی چیز کو ضرورت کے وقت
کے لیے رکھنا) گویا اس میں ضرورت اور حاجت کا تصور ہے۔ یعنی یہ تیاری
ضرورت کے تحت ہوگی اور ضرورت ہی کے وقت اس سے فائدہ اٹھایا جائے
گا۔

۱۔ بغوی، معالم التنزیل، خازن، لباب التأویل فی معانی التنزیل: ۵۷/۳

دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۵ء

۲۴۷

آیت میں جنگ کی تیاری کے ذیل میں 'قوة' اور 'رباط الخیل' کے الفاظ آئے ہیں۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

الان القوة الرمی! سن لوقت تیر اندازی ہے۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دور رسالت کے طریقہ جنگ میں تیر اندازی یا ناوک فگنی کی خاص اہمیت تھی۔ اس میں آدمی دشمن کو قریب آنے سے روک سکتا اور ایک خاص فاصلے سے اُسے نشانہ بنا سکتا ہے۔ بعض اور حدیثوں میں بھی ناوک فگنی کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح اس فن کے سیکھنے کے بعد اُسے بھول جانے یا اُسے حقیر سمجھ کر نظر انداز کرنے کی مذمت کی گئی ہے اور اسے سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا أو قد یحرقہ فلیس منا
جس کسی نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اُسے ترک کر دیا تو اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یا یہ فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں: یہ اور اس مضمون کی دوسری احادیث سے تیر اندازی، اس کے مقابلے اور اس کے اہتمام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہو۔ یہی حکم دلیری اور شجاعت کے مظاہرے، ہتھیار کے مختلف استعمالات کی مشق اور گھوڑ دوڑ کے مقابلے کا ہے۔ ان سب کا مقصد جنگ کی تربیت اور اس میں مہارت پیدا کرنا اور جسم کو مضبوط بنانا ہے۔

۱۔ مسلم: کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ و ذم من علمہ ثم نسیہ

۲۔ مسلم: حوالہ سابق

۳۔ نووی: شرح مسلم، ج ۷، جزء ۱۳، ص ۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۵ء

جہاد کے بعض احکام

قرآن مجید نے جنگی تیاری کے سلسلے میں ”قوت“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دورِ اول میں اس قوت کا بڑا ذریعہ تیر اندازی تھا اس لیے اس کی خاص ترغیب دی گئی، لیکن ہر دور کی مناسبت سے جنگی قوت مختلف ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے مفسرین نے اسے عام رکھا ہے۔ زخشری نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

کل مایُتَقَوّیٰ بہ فی الحرب من عددہا ۱
وہ ساری چیزیں جن سے جنگ میں قوت حاصل کی جاتی ہے اس کے سامان میں شمار ہوں گی۔

یہی بات بیضاوی نے ان الفاظ میں کہی ہے:

من کل مایُتَقَوّیٰ بہ (قوت سے مراد ہے) ہر وہ چیز
فی الحرب ۲ جس سے جنگ میں تقویت حاصل کی جائے۔

امام رازی کہتے ہیں قوت سے بہت سی چیزیں مراد لی گئی ہیں، لیکن ان میں بہتر قول، جیسا کہ اصحابِ معانی نے کہا ہے، یہ ہے کہ یہ ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے جن سے جنگ میں تقویت حاصل کی جاتی ہے۔ ’قوت‘ کے لفظ میں تمام آلاتِ حرب شامل ہیں۔ ۳

آیت میں جنگی تیاری کے ذیل میں ’رباط النخیل‘ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ رباط النخیل کے معنی ہیں گھوڑوں کا فوجی مقاصد کے لیے تیار کرنا، احادیث میں ان کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

۱ زخشری: الکشاف ۲/

۲ بیضاوی: انوار التنزیل ولباب التأویل ۱/۳۸۹، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۸۸ء

۳ رازی: التفسیر الکبیر ج ۸، جزء ۱۵، ص ۱۴۸، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۰ء

نیز ملاحظہ ہو خازن: لباب التأویل ۳۰/۵۸
۲۴۹

میدان جنگ میں گھوڑوں کی بڑی اہمیت رہی ہے، پیادہ فوج کے مقابلے میں وہ زیادہ بہتر خدمت انجام دیتے ہیں۔

آج کے دور میں اس تیاری میں باقاعدہ تربیت یافتہ فوج، ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں، ہیلی کاپٹر، جنگی طیارے اور دورِ جدید کے تمام اسلحے اور ساز و سامانِ حرب آجائیں گے۔ آئندہ ان سے بھی زیادہ ترقی یافتہ اسلحہ اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔

قرآن مجید نے جنگی تیاری کے ذیل میں 'مَا اسْتَطَعْتُمْ' کہا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ تیاری جس حد تک تم سے ہو سکے ہونی چاہیے۔ کسی ریاست کے لیے فوجی تیاری کس حد ممکن ہے اس کا فیصلہ اس کی ضروریات، اس کی معیشت، علم و تحقیق، فنی واقفیت اور ملکی اور بین الاقوامی حالات کے پیش نظر ہوگا۔

اس تیاری کا مقصد ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

نُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ، مطلب یہ کہ یہ تیاری اس لیے ہونی چاہیے کہ جو اللہ کے دشمن ہیں اور جن کی تمہارے ساتھ بھی دشمنی ہے ان کو خوف دلا سکوں۔ ان پر تمہاری دھاک بیٹھی رہے۔ اس کے ساتھ فرمایا:

وَأَخْرَيْنَ مِنْ دُونِهِمْ لَاتَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ، یعنی بعض تو تمہارے کھلے دشمن ہیں، انہیں تم پہچانتے ہو، لیکن وہ دشمن بھی ہیں، جن کی دشمنی سے تم ناواقف ہو۔ کسی بھی وقت وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس جنگی تیاری کا مقصد یہ ہے کہ وہ بھی تمہارے خلاف اقدام کرنے کی ہمت نہ کریں۔ گویا یہ جنگی تیاری ریاست کے کھلے یا چھپے دشمنوں کے خلاف ہے۔ یہ اُن لوگوں کے خلاف نہیں ہے جو ریاست کے دشمن نہیں ہیں۔ یہ دراصل دوسروں پر حملہ یا اُن سے جنگ کا حکم نہیں ہے، بلکہ یہ جنگ بازوں کو جنگ سے روکنے کی تدبیر ہے۔ دنیا کا ہر ملک چاہتا ہے کہ اس کے پاس اتنی طاقت ہو کہ کوئی ملک اس پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ اسلام نے

بھی اس کی ہدایت کی ہے۔

قرآن مجید نے جنگ کے سلسلے میں مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ پوری طرح محتاط، چوکس اور مسلح رہیں۔ سورہ نساء میں احکام جہاد کا بیان اس طرح شروع ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا
اے ایمان والو! اپنی احتیاط رکھو اور بھر ٹکڑیوں کی شکل میں یا ایک
تَبَاتًا أَوْ انْفِرُوا جَمِيعًا... ساتھ (جہاد کے لیے) نکلو۔
(النساء: ۷۱)

آیت کے الفاظ ہیں 'خذوا حذرکم'۔ حذر یا حذر کے معنی ہیں بچنا اور احتیاط کرنا۔ یہ کسی خوف ناک یا نقصان دہ چیز سے ہوتا ہے۔ امام راغب 'حذر' کے معنی بتاتے ہیں 'احتراز عن مخيف' (کسی خوف ناک چیز سے بچنا) اسی سے آلات جنگ کے لیے بھی حذر کہا جانے لگا۔ اس لیے کہ یہ دشمن سے حفاظت اور اس کے حملوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔ 'خُذُوا حِذْرَكُمْ' کے معنی امام راغب نے بیان کیے ہیں:

ما فيه الحذر من السلاح وغيره! (وہ چیز جس میں احتیاط اور بچاؤ ہے جیسے ہتھیار وغیرہ)

زنجیری کہتے ہیں حذر اور حذر کے معنی ایک ہیں۔ اخذ حذرہ، کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ بیدار ہو گیا اور خطرناک چیز سے بچ گیا۔ گویا احتیاط اور بچاؤ کو اس نے اپنے جسم و جان کی حفاظت کے لیے آلہ بنالیا۔^۱
پوری احتیاط اور جنگی تیاری کی ہدایت کے ساتھ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں یا بڑے لشکر کی شکل میں جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ راغب: المفردات فی غریب القرآن، مادہ حذر، ص ۱۱۸، دارالمعرفۃ، بیروت ۱۹۹۸ء

۲۔ زنجیری: الکشاف عن حقائق التنزیل، ۵۲۱/۱، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ دشمن سے محتاط رہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ وہ مقابلے کے لیے اسلحہ، ساز و سامان اور فوج کی تعداد میں اضافہ کے ذریعہ تیار رہیں۔ اللہ کے راستہ میں نکلنے کے لیے نفیر (جنگ کے لئے نکلنے کا حکم) سے فوج میں اضافہ ہوگا۔

مسلمان جن حالات سے گزر رہے تھے ان میں اس احتیاط اور تیاری کی سخت ضرورت تھی۔ عرب کے مختلف قبائل اسلام اور اسلامی ریاست سے برسرِ پیکار تھے۔ ان کے مقابلہ کے لیے کبھی چھوٹے چھوٹے فوجی دستے بھیجنے پڑتے اور کبھی بڑی فوج تشکیل دینی ہوتی۔ ان حالات کا مخلص و جاں باز اور سرفروش مسلمان جی جان سے مقابلہ کر رہے تھے۔ ان کا سابقہ باہر کے دشمنوں کے علاوہ منافقین سے بھی تھا، جو مارِ آستین بنے ہوئے تھے، جو دل سے مسلمانوں کو ناکام دیکھنا چاہتے تھے۔ خودپست ہمتی کا مظاہرہ کرتے اور طرح طرح کی افواہیں پھیلا کر دوسروں کی ہمت بھی پست کرنے کی کوشش کرتے۔ قرآن مجید نے اسی سلسلہ بیان میں ان پر تنقید کی اور رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا:

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلِّفُ الْإِنْفُسَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عِيسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفَ بِأَسِ الدِّينِ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بِأَسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ۝

پس تم اللہ کے راستے میں قتال کرو۔ تم صرف اپنی ذات کے ذمے دار ہو۔ مومنوں کو (جنگ کی) ترغیب دو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ، ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ہے جنگ سے روک دے۔ اللہ جنگ میں زیادہ شدید ہے اور زیادہ سخت سزا دینے والا ہے۔

(النساء: ۸۴)

ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم، ۱/۵۲۳، دار المعرفۃ، بیروت ۱۹۶۹ء
۲۵۲

مطلب یہ کہ اے اللہ کے رسول جب اللہ کے راستے میں جنگ کا موقع آئے۔ آپ آگے بڑھیے، اس کی پروا نہ کیجیے کہ کوئی ساتھ دے رہا ہے یا نہیں دے رہا ہے۔ آپ صرف اپنی ذات کے ذمہ دار ہیں۔ اہل ایمان کو اس میں شرکت کی ترغیب دیجیے، وہ منافقین کی طرح پیچھے نہیں رہیں گے، بلکہ ان کی رفاقت آپ کو حاصل ہوگی۔

جہاد کے اس حکم کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ ضروری نہیں کہ آپ کو جنگ لازماً کرنی ہی پڑے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ دشمن کے جنگی عزائم بدل جائیں اور وہ اپنے مذموم ارادوں سے باز آجائے اور آپ کو جنگ سے سابقہ نہ پیش آئے۔ لیکن اگر جنگ مسلط ہو تو آپ کو پوری قوت سے اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ دشمن کی طاقت سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں، اس کی جتنی طاقت ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ طاقت ور ہے۔ یہ درحقیقت احتیاطی تدبیر اور خود حفاظتی کی کوشش ہے۔

سرحد کی حفاظت

اسلامی ریاست کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ داخلی اور خارجی حملوں سے حفاظت کا نظم کرے۔ اسے ہمارے علما نے مسلمانوں کے امام یا سربراہ ریاست کے فرائض میں شمار کیا ہے۔ اسی میں سرحدوں کی حفاظت آتی ہے۔ قرآن مجید کی ہدایت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا
الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ
وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً
وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ
الْمُتَّقِينَ (التوبة: ۱۲۳)

اے ایمان والو! جنگ کرو ان
اہل کفر سے جو تم سے قریب ہیں۔
وہ تمہارے اندر سخت محسوس کریں،
اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ
ہے (اس لیے اس سے ڈرتے رہو)

آیت کے الفاظ عام ہیں، لیکن اس سے سرحدوں کی حفاظت کے سلسلے میں بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ کوئی غیر مسلم ریاست اسلامی ریاست کے خلاف جنگ کا منصوبہ بنائے یا اس پر حملہ آور ہو تو اسلامی ریاست پوری قوت سے اس کا مقابلہ کرے گی۔ یہ اپنے دفاع کے لیے اس کی جنگ ہوگی اور اس کے لیے تیاری کو دفاعی تیاری کہا جائے گا۔

قرآن مجید میں جنگ کی تیاری کے ذیل میں 'رابط' اور 'مربط' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ان الفاظ کے معنی ہیں، جنگی مقاصد کے لیے گھوڑوں کو تیار کرنا۔ ان میں دوطرفہ عمل اور مسابقت کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ الفاظ سرحد کی حفاظت کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ سرحد پر دونوں طرف فوج تیار ہوتی ہے اور دشمن کے حملوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جنگی تیاری کے سلسلے میں سورہ انفال کی آیت (۶۰) کا حوالہ گزر چکا ہے۔ وَأَعِدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ الْآيَةُ اس میں ربط الخیل کا حکم ہے۔ ایک اور مقام پر

ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
أَصْبِرُوا وَاصْبِرُوا
رَبَّابُطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
تَفْلِحُونَ ○ (آل عمران: ۲۲۰)

اے ایمان والو! صبر کرو اور
مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور جڑے
رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ امید
ہے تم فلاح پاؤ گے۔

علامہ زنجیری نے رابطوا، کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے:

أَقِمْوْا فِي الشُّغُورِ
رَبَاطِينَ خَيْلِكُمْ فِيهَا
مُتَرَصِّدِينَ مُسْتَعِدِّينَ
بِالْغَزْوِ ۲

سرحدوں پر قیام کرو، وہاں اپنے
گھوڑوں کو تیار رکھو، گھات لگائے
بیٹھو اور جنگ کے لیے تیار رہو۔

۲ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ملا علی قاری، مرقاة المفاتیح: ۷/۲۵۷، بیروت ۱۹۹۴ء

احادیث میں اس 'رباط' کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد سنا ہے:

رباط یوم وليلة خیر
من صیام شهر و قیامہ
وان مات جری علیہ
عملہ الذی کان یعملہ
واجری علیہ رزقہ وأمن
الفتان
سرحد پر ایک دن اور رات کا
قیام ایک مہینہ کے روزوں اور اس
کی راتوں کے قیام سے بہتر ہے۔
اگر اس کی موت واقع ہو جائے تو
اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو وہ
کرتا رہا ہے، اس پر اس کا رزق
جاری رہے گا اور وہ (قبر کے)
فتنہ سے مامون رہے گا۔

ایک اور حدیث حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل میت یُختم علی
عملہ الا الذی مات
مربطاً فی سبیل اللہ فانہ
ینمی لہ عملہ الی یوم
القیامۃ ویأمن فتنة القبر۔^۲
ہر میت کا عمل ختم کر دیا جاتا ہے
سوائے اس شخص کے جو اللہ کے
راستے میں سرحد کی حفاظت کرتے
ہوئے جان دے۔ اس کا عمل روز
قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ
قبر کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔

علامہ ابن الہمام کہتے ہیں کہ جہاد کے ذیل میں 'رباط' بھی ہے۔ یہ
ایسی جگہ قیام کو کہا جاتا ہے جہاں سے دشمن کے حملے کا امکان ہے۔ یہ قیام
اللہ کی رضا کی خاطر ہونا چاہیے۔ اس کے بعد علامہ ابن الہمام نے ان

۱۔ مسلم: کتاب الامارۃ، باب فضل الرباط فی سبیل اللہ عزوجل

۲۔ مشکوٰۃ: کتاب الجہاد بحوالہ ترمذی و ابوداؤد

احادیث کا ذکر کیا ہے جو رباط کی فضیلت کے سلسلے میں مروی ہیں۔ ۱۔

افراد کی طاقت

جنگی تیاری کے سلسلے میں قرآن نے اسلحہ اور فوجی ساز و سامان کا جہاں ذکر کیا ہے وہیں افرادی طاقت Man power کو بھی خاص اہمیت دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں افراد خود ہی جنگی تیاری کرتے تھے۔ دشمن کے مقابلے اور اپنی دفاع کے لیے ہر وقت مسلح رہتے تھے۔ قرآن نے ان کی تیاری کا رخ موڑ دیا اور انہیں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار رہنے اور جب اس کا موقع ہو تو جنگی، ترشی، سختی، آسانی، سہولت اور عدم سہولت ہر حال میں نکل پڑنے کا حکم دیا:

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا
وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ
وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ (التوبة: ۴۱)

نکل پڑو، (ساز و سامان کے لحاظ سے) خواہ ہلکے ہوں یا بوجھل۔ اور اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم اسے جان لو۔

کم زور ایمان والے اور منافقین اس معاملے میں پس و پیش کرتے تھے۔ انہیں سخت الفاظ میں تنبیہ کی گئی کہ اگر تم اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے تیار نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ دوسروں سے یہ خدمت لے گا اور تم اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ فرمایا:

۱۔ ابن الہمام: فتح القدير ۴۱۹/۵

۲۔ خفافا وثقالا کے بہت سے مفہوم بیان ہوئے ہیں۔ امام رازی اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں کہ جہاد کے لیے نکل پڑو چاہے تمہارے لیے آسان ہو یا مشکل۔ رازی: ج ۸، جزء ۱۶، ص ۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۰ء

جہاد کے بعض احکام

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کے راستے میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو زمین سے چپکے جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی سے خوش ہو حالاں کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑا ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے گا اور تم اللہ کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
مَالَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ ائِفِرُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنَّا قُلْتُمْ إِلَى
الْأَرْضِ أَرْضُنَا بِالْحَيَاةِ
الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا
مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي
الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ إِلَّا تَنْفِرُوا
يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا
وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ
وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝
(التوبة: ۳۸، ۳۹)

ان کی غفلت اور کاہلی پر اس طرح تنقید کی گئی۔

اگر وہ جہاد کے لیے نکلنا چاہتے تو اس کے لیے سامان تیار کرتے، لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا ناپسند کیا اور کہا گیا کہ بیٹھے رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ۔

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ
لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَكِنْ
كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ
وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ
الْقَاعِدِينَ ۝ (التوبة: ۴۰)

جنگ کے لیے افرادی طاقت کتنی ہو اس کا فیصلہ حالات کے مطابق ہوگا۔ اس معاملے میں اسلام نے اصولی ہدایت یہ دی ہے کہ افرادی قوت میں فریقین کے درمیان ایک حد تک توازن ضروری ہے۔ غیر معمولی عدم توازن ہو تو کامیابی کی توقع مشکل ہی سے کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ جب مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے لیکن ان کے اندر ایمانی جوش و جذبہ، صبر

و ثبات اور استقامت کی کیفیت بہت زیادہ تھی، تو حکم تھا کہ تمہارا حریف اگر دس گناہ بھی ہے تو حوصلہ اور ہمت نہ ہارو۔ صبر سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرے گا۔

اے نبی! اللہ تمہارے لئے کافی ہے اور جو اہل ایمان تمہاری اتباع کر رہے ہیں (وہ کافی ہیں) اے نبی اہل ایمان کو جنگ کی ترغیب دو۔ اگر تم میں سے بیس ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر (ایسے) سو ہوں گے تو ہزار اہل کفر پر غالب آئیں گے۔ اس لئے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے (کہ اللہ کی راہ میں جان دینا کتنی بڑی سعادت ہے)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ
اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ
حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى
الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ
عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا
مِائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ
مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ
كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَا يَفْقَهُونَ ○

(الأنفال: ۶۳-۶۵)

اس کے معنی یہ ہوئے کہ اہل ایمان کے اندر صبر و ثبات ہو تو وہ اپنے سے دس گنا طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ وہ بیس ہوں تو دو سو پر اور سو ہوں تو ہزار پر غلبہ پاسکتے ہیں۔ اس لیے انہیں دس گنا طاقت سے بھی پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے۔ لیکن یہ حکم خاص حالات میں تھا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبائل کے حملوں کو روکنے کے لیے مختلف اطراف و جوانب میں چھوٹے چھوٹے سرایا بھیجنے پڑتے تھے اور بعض اوقات بڑی قبائلی طاقت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ لیکن بعد میں جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو اہل ایمان کو اتنے سخت امتحان میں نہیں ڈالا گیا۔ اس حکم میں تخفیف کر دی گئی

اور یہ آیت نازل ہوئی۔
 الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ
 وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا
 فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ
 صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ
 وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا
 أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ
 مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (الأنفال: ۶۶)

اب اللہ نے اس معاملہ میں تم پر
 تخفیف کر دی ہے اور یہ جان لیا ہے
 کہ تمہارے اندر ضعف اور کم زوری
 ہے لہذا اگر تم میں سے سو، ثابت
 قدم رہنے والے ہوں تو دو سو پر
 غالب آئیں گے اور اگر تم میں
 (ایسے) ہزار ہوں تو دو ہزار پر اللہ
 کے حکم سے غالب رہیں گے اور اللہ
 صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید نے ہدایت کی ہے کہ میدان جنگ میں استقامت اور
 پامردی کا ثبوت دیا جائے اور اس بات کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے کہ آدمی
 مقابلے سے پیچھے ہٹے اور دشمن کو پیٹھ دکھائے؟ سوائے اس کے کہ جنگی حکمت
 عملی اس کا تقاضا کر رہی ہو۔ ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا
 لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا
 فَلَا تُولُوهُمْ الْأَدْبَارَ وَمَنْ
 يُولُوهُمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرَهُ إِلَّا
 مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا
 إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ
 مِنَ اللَّهِ وَمَا وَاهُ جَهَنَّمَ وَ
 بُئِيَ الْمَصِيرُ ۝ (الأنفال: ۱۵-۱۶)

اے ایمان والو! جب فوج کشی
 کے موقع پر تمہارا ان لوگوں سے
 سامنا ہو جنہوں نے کفر کیا ہے تو
 انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ، جس کسی نے اس
 دن انہیں اپنی پیٹھ دکھائی، سوائے
 اس کے کہ وہ جنگ کی کوئی تدبیر کرنا
 چاہے یا اپنی فوج کے کسی حصہ کی
 طرف آنا چاہے، تو وہ اللہ کا غضب
 لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے

اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

حدیث میں میدان جنگ سے فرار کو کبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اجتنبوا السبع الموبقات (سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو) ان میں سے ایک گناہ آپ نے یہ بتایا، والتولی يوم الزحف (جنگ کے روز پیٹھ پھیرنا)!

سورہ انفال کی آیت ۶۱ اوپر گزر چکی ہے۔ اس میں بشارت دی گئی ہے کہ دشمن کی تعداد دوچند ہو تو بھی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلبہ عطا کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخالف فوج دگنی ہو تو بھی مسلمانوں کو ہمت نہیں ہارنی چاہئے اور پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے۔ سوال یہ ہے کہ اگر دوگنی سے زیادہ فوج سے مقابلہ ہو تو کیا اسلامی فوج کا پسپائی اختیار کرنا غلط اور گناہ کا باعث ہوگا؟ علماء نے اس کے قانونی اور اخلاقی پہلو سے بحث کی ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا ہے کہ اہل ایمان جنگ میں پشت نہ دکھائیں۔ یہ حکم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ حریف کی تعداد دگنی سے زیادہ نہ ہو۔ اس صورت میں اہل ایمان کے لیے فرض ہے کہ وہ میدان جنگ سے فرار نہ اختیار کریں لیکن اگر فریق مخالف تعداد میں دوگنے سے زیادہ ہو تو پسپائی اختیار کرنا جرم نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص دو کے مقابلے میں بھاگ کھڑا ہو تو اس نے فرار کی راہ اختیار کی۔ اگر وہ تین سے فرار اختیار کرتا ہے تو اسے فرار نہیں کہا جائے گا۔ مطلب یہ کہ وہ فرار کی وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔

بعض حضرات نے اس معاملے میں تعداد ہی کا نہیں ضعف و قوت، اسلحہ، سامان جنگ اور مہارت کو بھی پیش نظر رکھا ہے اس لحاظ سے سو گھڑ سوار کا فریق مخالف کے سو گھڑ سوار سے پیچھے ہٹ جانا جائز ہوگا۔ اگر وہ ان

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الایمان، باب الکبائر وعلامات الخفاق

پہلوؤں سے دگنی سے زیادہ طاقت رکھتا ہو۔ لیکن جمہور کی رائے یہی ہے کہ فوج سے فرار کا جواز اسی وقت ہے جب کہ اس کی تعداد دگنی سے زیادہ ہو ورنہ نہیں۔ بڑی سے بڑی فوج کے مقابلے میں ثابت قدمی بہر حال پسندیدہ ہے۔ علامہ قرطبی نے اس کی مثالیں بھی دی ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے سے دوچند اور سہ چند فوج کا مقابلہ کیا ہے۔ ۱

علامہ بغوی اکثر اہل علم کی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

أَنَّ الْمُسْلِمِينَ إِذَا كَانُوا عَلَى الشَّطْرِ مِنْ عَدُوِّهِمْ لَا يَجُوزُ لَهُمْ أَنْ يَفْرُوا وَيُولُوا ظَهْرَهُمُ إِلَّا مَتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مَتَحِيزًا إِلَى فِتْنَةٍ وَ إِنْ كَانُوا أَقْلَ مِنْ ذَلِكَ جَازَ لَهُمْ أَنْ يُولُوا ظَهْرَهُمْ وَيُنْحَازُوا عَنْهُمْ ۲

اگر مسلمان اپنے دشمن سے نصف تعداد میں ہوں تو فرار اختیار کرنا اور اسے پیٹھ دکھانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی جنگی چال ہو یا اپنے کسی فوجی دستے میں شامل ہونا پیش نظر ہو تو اس کی اجازت ہے۔ اگر وہ نصف سے کم ہوں تو ان کے لئے پیٹھ دکھانا اور ان سے ٹکڑا جانا جائز ہوگا۔

یہ ایک قانونی بحث ہے کہ لڑائی کے میدان سے پسپائی اختیار کی جاسکتی ہے یا نہیں اور اس کا جواز ہے تو کن حالات میں ہے؟ جنگ میں اس کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ یہ جذبہ جہاد کے منافی نہیں ہے۔ مومن

۱۔ قرطبی الجامع لاحکام القرآن: ج ۴، جزء ۷، ص ۲۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸ء
 ۲۔ بغوی: معالم التنزیل، نیز ملاحظہ خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل: ۲۱/۳، اس موضوع پر مزید بحث کے لئے رجوع کیا جائے۔ ابن قدامہ المغنی: ۱۸۶/۱۳ اور اس سے آگے

میدان کارزار میں جان بھٹیلی پر لے کر جاتا ہے اور شہادت کو عین سعادت تصور کرتا ہے۔ اس کا کروفر اور اس کا آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا سب کچھ حکمت عملی کے تحت ہوگا۔ بزدلی کا پہلو اس میں نہ ہوگا۔ اس کا ایمان و یقین اور اس کا جذبہ صادق ہی اس کا اصل سرمایہ ہے۔ اس سے وہ بڑی سے بڑی حریف طاقت پر غلبہ حاصل کرتا ہے اور حاصل کرتا رہا ہے۔ یہی حقیقت قرآن میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

گَمِّ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ
غَلَبَتْ فِئَةٌ كَثِيرَةٌ بِإِذْنِ
اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ۝ (البقرہ: ۲۴۹)

بارہا ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب ہوئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

قرآن نے جنگ کی تیاری کی جو ہدایات دی ہیں اور احادیث میں ان کی جو تفصیلات آئی ہیں انہیں یہاں پیش کیا گیا ہے۔ جنگ کی تیاری کس نوعیت کی ہو؟ اس کا تعلق زمان و مکان اور حالات سے ہے۔ البتہ ریاست کا تحفظ ضروری ہے۔ اس کے لیے وہ لازمی اقدامات کرے گی۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ عسکریت پسندی اور دہشت گردی ہے۔ کیا یہ نوع انسانی کے خلاف کوئی خفیہ منصوبہ اور سازش ہے؟ اگر اسلامی ریاست پر یہ الزام عائد ہو سکتا ہے تو دنیا کی کوئی بھی ریاست اس سے بری نہیں قرار دی جاسکتی۔ ●●●

از: مولانا سید جلال الدین عمری

غیر اسلامی ریاست اور مسلمان

کسی غیر اسلامی ریاست میں مسلم اقلیت کا کیا موقف ہونا چاہیے اور اسلام نے اس سلسلے میں کیا ہدایات دی ہیں؟ یہ دور حاضر کا ایک اہم سوال ہے۔ نام در عالم دین مولانا سید جلال الدین عمری نے اس کتاب میں اس کا مدلل جواب فراہم کیا ہے اور دین پر استقامت، عدل کا قیام، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، انسانی حقوق کا احترام، دفاع اور انتقام کا حق اور اس کی معنویت اور مطلوبہ دینی و اخلاقی کردار جیسے عنوانات پر عالمانہ بحث کی ہے اور ان اعتراضات کا باوقار جواب دیا ہے جو اس موضوع پر کیے جاتے ہیں۔ مولانا کیا یہ کتاب اس موضوع پر ایک رہ نما کتاب بھی ہے اور اسلام اور مسلمانوں سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ بھی۔ سائز: ۲۳x۳۶ صفحات: ۲۸ قیمت: ۱۵/- روپے

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی ۳۰۷، دعوتِ محمد، ابو الفضل انکلیو، جامعہ محمدیہ، اوکھلا، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵